© rasailojaraid.com

حکیم محمود احمد ظفر۔ سیالکوٹ

سائنسی علوم میں مسلمانوں کے انحطاط کی وجوہات

تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو ایک خاص دھچکا لگا اور خلافت اسلامیہ کی چولیں ہل گئیں۔ تاتاری حملہ سے عالم اسلام کو جو نقصان پہنچا اس کے ازالہ کے لئے ایک مدت درکار تھی۔ کیونکہ مسلمانوں کے قوائے فکریہ میں اضمحلال و افسردگی اور طبیعتوں میں یاس انگیزی اور جمود پیدا ہو گیا تھا۔ اس حملہ سے علوم دینیہ، ادب و شاعری اور اخلاق و معاشرت پر نہایت برا اثر پڑا۔ انسانیت اور تہذیب کی یہ انتہائی بدقسمتی تھی کہ دنیا کی زمام قیادت ان جاہل اور وحشی قوموں کے ہاتھ میں آگئی جو نہ کوئی آسمانی دین رکھتے تھے اور نہ کسی علم، تہذیب اور تمدن کے مالک تھے۔ اس کی قیادت میں کسی علمی و دینی ترقی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ حلقہ بگوش اسلام ہو چکے تھے اور مسلمان ان کی غارت گری اور خون آشامی سے محفوظ و مصئون ہو گئے تھے اور اسلام حکمران طبقہ کا مذہب بن گیا تھا۔ لیکن ان جدید الاسلام تاتاریوں میں بہر حال دینی اور علمی قیادت اور اسلامی امانت کی صلاحیت کا فقدان تھا۔ اور اس صلاحیت کے پیدا ہونے کے لئے ایک طویل مدت درکار تھی۔ چنانچہ اس وقت ایک تازہ دم، عالی ہمت اور مجاہد سیرت قوم کی ضرورت تھی جو اسلامی قیادت سنبھال کر مسلمان قوم میں ایک نئی زندگی پیدا کر دے۔

حق تعالیٰ اپنے دین کا خود محافظ ہے۔ چنانچہ کچھ ہی عرصہ کے بعد آٹھویں صدی میں عثمانی ترک منظر عام پر آئے۔ شروع میں تو ان کو کوئی اہمیت نہ دی گئی، لیکن جب ۱۴۵۲ء میں سلطان فاتح نے اپنی ۲۴ برس کی عمر میں بازنطینی سلطنت کے ناقابل تسخیر دارالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کو فتح کر لیا۔ اس واقعہ نے انہیں دنیا کی نگاہوں میں اہمیت دلادی۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں ایک نئی امنگ اور نیا جوش پیدا ہو گیا۔ ان کا قسطنطنیہ کو فتح کر لینا جس کو مسلمان آٹھ سو سال کی بار بار کوششوں کے باوجود فتح نہ کر سکے۔ اسلامی سلطنت کی قیادت کے لئے ان کی قابلیت و قوت اور فنون جنگ و مہارت کی ایک مبیّن دلیل تھی۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور (Baron Carre de Vaux) نے اپنی کتاب "مفکرین اسلام" کے پہلے حصہ میں سلطان محمد فاتح[1] کا تذکرہ کرتے ہوئے ترکوں کی فنون جنگ میں مہارت کو یوں بیان کیا ہے:

"یہ فتح محمد فاتح کو محض بخت و اتفاق سے حاصل نہیں ہوئی تھی اور نہ اس کا سبب محض بازنطینی سلطنت کی کمزوری تھی۔ بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ سلطان بہت پہلے سے اس کے لئے ضروری انتظامات اور ضروری تیاریاں کر رہا تھا۔ اور اس کے زمانہ میں علم کی جتنی طاقت تھی، اس سے کام لے رہا تھا۔ توپیں اس وقت نئی نئی ایجاد ہوئی تھیں۔ اس نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اس زمانہ میں بن سکتی ہے بنائی جائے۔ چنانچہ اس نے اس کے

---

(1) سلطان محمد فاتح اسی بوسنیاء کے رہنے والے تھے جس کو آج عیسائی اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے ہیں اور شاید فتح قسطنطنیہ کا انتقام لے رہے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لئے ہنگری (Hungry) کے ایک ماہر انجینئر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کلو کا گولہ داغتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اس کے بھرنے کے لئے دو گھنٹے چاہیئے ہوتے تھے۔ جب سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے چلا تو اس کی قیادت میں تین لاکھ سپاہی تھے۔ اور زبردست توپ خانہ، اس کا بحری بیڑا جو قسطنطنیہ کا سمندر کی جانب سے محاصرہ کئے ہوئے تھا، ایک سو بیس جنگی کشتیوں پر مشتمل تھا۔ اس نے اپنے اجتہاد سے یہ تجویز کیا کہ جنگی بیڑا کا ایک حصہ خشکی سے خلیج تک پہنچایا جائے۔ اس نے لکڑیوں پر چربی مل کر ستر جہاز قاسم پاشا کی جانب سے سمندر میں اتار دیے۔"

یعنی پوری جنگی تیاریوں اور اپنی پوری قابلیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس نے بازنطینی حکومت کے اس ناقابل تسخیر شہر کو فتح کر لیا اور عیسائی دنیا کے قلوب پر اپنی سطوت و شکوہ کا سکہ بٹھا دیا۔ محمد فاتح سے یورپ اس قدر مرعوب اور خوفزدہ ہوگیا تھا کہ اس کے انتقال پر پاپائے اعظم نے جشن مسرت منانے کا حکم دیا اور فرمان صادر کیا کہ تین دن تک مسلسل شکرانہ کی دعائیں پڑھی جائیں۔

(فلسفہ تاریخ العثمانی ص ۲۷۴)

سلطان محمد فاتح نے بھرپور فوجی قوت فراہم کی۔ چنانچہ بطرس اعظم کے معتمد نے ایک مرتبہ قسطنطنیہ سے قیصر کو لکھا تھا کہ "سلطان محمد فاتح بحر اسود کو اپنا گھر سمجھتے ہیں جس میں کسی غیر کو داخل ہونے کی اجازت نہیں۔" ترکوں کے بحری بیڑہ کا مقابلہ سارا یورپ مل کر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن شومئی قسمت سے سلطان محمد فاتح کے بعد ترکوں میں عین ترقی و عروج کے زمانہ میں تنزل اور انحطاط شروع ہوگیا اور تنزل شدہ قوموں کے پرانے امراض ان میں پیدا ہونے شروع ہوگئے۔ حکام اور سپہ سالار قوم و سلطنت سے غداری کرنے لگے۔ قوم میں راحت طلبی اور عافیت کوشی پیدا ہوگئی۔ آپس میں حسد و بغض کا نشو و نما ہوا۔ حکمران مستبد اور جابر ہونے لگے۔ اخلاق میں انحطاط شروع ہوگیا۔ اور سب سے بڑا مرض جو ان میں پیدا ہوا وہ جمود تھا۔ علم و تعلیم میں جمود اور فنون جنگ اور عسکری تنظیم و ترقی میں جمود۔ انہوں نے فاتح مصر سیدنا عمرو بن العاص ؓ کی اس وصیت کو یک قلم فراموش کر دیا کہ وہ یورپ کی حریف سلطنتوں اور قوموں کے درمیان گھرے ہوئے تھے۔ سیدنا عمرو بن العاص ؓ نے مصر کے مسلمانوں کو فرمایا تھا:

"اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم قیامت تک خطرہ کی حالت میں ہو اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہو، اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے کیونکہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور ان کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں۔"

(تاریخ مصر، جرجی زیدان)

لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ترک مطمئن ہو کر بیٹھ گئے۔ وہ اپنی جگہ پر جامد رہے اور یورپ کی دوسری قومیں ترقی کر کے کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔

ترکی کی مشہور فاضلہ خالدہ ادیب خانم نے ترکوں کے اس علمی و تعلیمی جمود کا بڑی وضاحت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتی ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"جب تک دنیا پر متکلمین کے فلسفہ کی حکومت رہی ترکی کے علماء اپنا کام نہایت خوبی سے کرتے رہے۔ مدرسہ سلیمانیہ اور مدرسہ فاتح اس زمانہ میں تمام مروجہ علوم و فنون کے مرکز تھے، مگر جب مغرب نے کلام کی زنجیریں توڑ کر نئے علم و حکمت کی بنیاد ڈالی جس نے دنیا کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا تو علماء کی جماعت معلمی کے فرائض انجام دینے کے قابل نہ رہی۔ یہ حضرات سمجھتے تھے کہ علم جس مقام پر تیرھویں صدی میں تھا، وہاں سے اب تک آگے نہیں بڑھا۔ یہ طرز خیال انیسویں صدی کے وسط تک ان کے نظام تعلیم پر حاوی رہا۔ ترکی اور دوسرے اسلامی ممالک کے علماء کا یہ طرز خیال جذبہ اسلامی سے کوئی علاقہ نہیں رکھتا تھا۔ فلسفہ کلام یا علم کلام خواہ وہ عیسائیوں کا ہو یا مسلمانوں کا، یونانیوں کے فلسفہ پر مبنی تھا۔ اس پر کم و بیش ارسطو کے خیالات کا رنگ غالب ہے، جو ایک وحشی فلسفی تھا۔ یہاں اس کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ ہم مختصر الفاظ میں عیسائی علماء اور مسلمان علماء کے طرز خیال کا مقابلہ کریں۔"

پھر دو ایک صفحات کے بعد خالدہ ادیب خانم لکھتی ہیں:

"جب مغرب نے فطرت کا مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ تحلیل اور تجزیہ کے ذریعہ کرنا شروع کیا تو ارباب کلیسا کے ہوش اڑ گئے۔ ادھر نئے علمی طریقوں کی مدد سے بڑے بڑے انکشافات ہونے لگے اور ادھر عیسائی علماء کو یہ خوف پیدا ہوا کہ اب کلیسا کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ چنانچہ مغرب میں اس دور کا آغاز ہوا جس میں بڑے بڑے سائنس دان جو عالم طبیعی کے دائرہ کے اندر تحقیق میں مصروف تھے، قتل کر دیے جاتے تھے۔"

"سائنس اور مذہب کے خونریز معرکوں کے بعد آخر عیسوی کلیسا کو مصلحت شناسی سے کام لینا پڑا۔ اس نے اپنے مدرسوں اور مکتبوں کے نصاب میں سائنس کو داخل کر لیا۔ اس کی یونیورسٹیاں جو پہلے بالکل اسلامی مدارس کی طرح تھیں، سائنس اور علوم جدید کا مرکز بن گئیں۔ مگر اسی کے ساتھ اس نے مابعد الطبیعی فلسفہ کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کا اثر تعلیم یافتہ طبقہ کے کم سے کم ایک حصہ پر بدستور باقی رہا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ پادری نئے علوم پر عبور رکھتے تھے، اور نئے زمانہ کے نوجوانوں سے ہر موضوع پر بحث کر سکتے تھے۔

عثمانیوں کے یہاں علماء کی حالت اس کے برعکس تھی۔ انہوں نے علوم جدیدہ کی تحصیل کی طرف کوئی توجہ نہیں کی بلکہ نئے خیالات کو اپنی قلمرو میں داخل ہی نہیں ہونے دیا۔ جب تک ملت اسلامی کی تعلیم کی زمام ان کے ہاتھ میں تھی کیا مجال کہ کوئی چیز قریب آنے پائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے علم پر جمود طاری ہو کر رہ گیا۔ ادھر دور انحطاط میں ان کی سیاسی مصروفیتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ مشاہدہ اور تجربہ کے جھمیلے میں پڑنے کی انہیں فرصت نہ تھی۔ سہل نسخہ یہی تھا کہ ارسطو کے فلسفہ پر قدم جمائے رہیں اور علم کی بنیاد استدلال پر رہنے دیں۔ چنانچہ اسلامی مدارس کا انیسویں صدی میں بھی وہی رنگ رہا جو تیرھویں صدی میں تھا۔"

(ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش از خالدہ ادیب خانم)

جب ترکی کا یہ حال تھا جو عالم اسلام کا قائد تھا تو دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کا جو ترکی کے زیرِ اثر یا دست نگر تھے جو کچھ حال ہوگا، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، گویا

قیاس کن ز گلستانِ من بہارِ مرا

چھوٹی چھوٹی صنعتیں بھی ابھی ان ملکوں میں رواج پذیر نہیں ہوئی تھیں۔ ایک فرانسیسی موسیو والنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Volney) نے (جس نے اٹھارویں صدی میں مصر کی سیر کی اور شام میں چار سال تک مقیم رہا) اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ:

"یہ ملک صنعت میں اس قدر پس ماندہ ہیں کہ اگر تمہاری گھڑی خراب ہوجائے تو غیر ملکی کے علاوہ کوئی درست کرنے والا نہیں ملے گا۔"

(زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث، ڈاکٹر احمد امین، ص۶)

صنعتی اور علمی میدان میں ترکوں کی پس ماندگی کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ سولھویں صدی عیسوی سے قبل ترکی میں جہاز سازی کی صنعت شروع نہیں ہوئی تھی۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں ترکی پریس و مطابع، حفظان صحت کے مراکز اور فوجی تعلیم کے نئے طرز کے مدارس سے روشناس ہوا۔ اٹھارویں صدی کے آخر تک ترکی نئی ایجادات اور ترقیوں سے اس قدر بیگانہ اور نا آشنا تھا کہ جب قسطنطنیہ کے باشندوں نے دارالسلطنت پر ایک غبارہ (Baloon) کو پرواز کرتے دیکھا تو اس کو سحر یا کیمیا کی کرشمہ سازی سمجھے۔

اس کے مقابلہ میں نہ صرف یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں ترکی سے اس میدان میں بازی لے چکی تھیں، بلکہ مصر بھی بعض مفید نئی چیزوں سے فائدہ اٹھانے میں پیش قدمی کر چکا تھا۔ ترکی سے چار سال قبل مصر سے ریلوے کا نظام قائم ہوچکا تھا۔ ڈاک کے ٹکٹ بھی ترکی سے چند ماہ قبل مصر میں رائج ہوچکے تھے۔" (نئی ایجادات کی تاریخ ص۹۶)

پھر ترکوں کا تنزل صرف حکمت و علوم نظریہ اور صنعت و حرفت ہی میں نہ تھا بلکہ یہ ایک ہمہ گیر اور عمومی انحطاط تھا جو مسلمانوں پر پورے طور پر محیط تھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ان فنون حرب میں بھی جن میں انہیں پورے یورپ میں درجہ امامت حاصل تھا، یورپ سے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ یورپ کی فوجوں نے ۱۷۷۴ء میں ترک افواج کو شرمناک شکست دی اور دنیا کو پتہ چل گیا کہ ترک جنگی طاقت میں یورپ کی عیسائی قوتوں سے بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔

اس شرمناک شکست سے ترکوں کی کچھ آنکھیں کھلیں اور انہوں نے چند یورپین ماہرین کی خدمات حاصل کر کے ازسر نو فوجی تنظیم و تربیت کا کام شروع کیا۔ لیکن کبھی مانگے تانگے کی چیزیں بھی کسی کا ساتھ دیتی ہیں۔ مانگے ہوئے بیل سے ایک بار کھیت میں ہل چلایا جاسکتا ہے لیکن اس سے زمین تیار کر کے اچھی فصل حاصل نہیں کی جاسکتی۔ یہی حال ان ماہرین فنون حرب کا تھا جو یورپ سے مانگے گئے تھے۔

ترکوں کے اس جمود کو دور کرنے کے لئے اصل قدم سلطان سلیم ثالث نے (جس کی تعلیم و تربیت قصر شاہی سے باہر ہوئی تھی) انیسویں صدی کے آغاز میں اٹھایا۔ اس نے نئے طرز کے مدارس اور کالج قائم کئے ایک انجینئرنگ کالج میں وہ خود جا کر پڑھاتا تھا۔ نظام جدید کے نام سے ایک نئی فوج کی بنیاد ڈالی اور ملک کے سیاسی نظام میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں۔ اس نے یہ سب کچھ کیا لیکن جس قوم اور سلطنت کے لئے سب کچھ کیا اس کے جمود کا یہ حال تھا کہ پرانی فوج نے بلوہ کر کے سلطان سلیم کو قتل کردیا۔ اس اصلاحی مہم میں سلطان کے جانشین محمود ثانی اور سلطان عبدالمجید اول نے ترکی کے ترقی کی طرف کچھ قدم بڑھائے۔ لیکن ترکی نے انیسویں صدی میں جو ترقی کی یورپ کی عیسائی قومیں اس سے زیادہ ترقی کی منزلیں اٹھارویں صدی میں طے کر چکی تھیں۔

جب کہ بتایا گیا ہے کہ سولھویں اور سترہویں صدی ہی سے ترک علمی پس ماندگی اور انحطاط اور جمود کا شکار ہو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چکے تھے۔ جب ترک سو رہے تھے یورپ اس وقت اپنی لمبی نیند سے بیدار ہوا تھا اور ایک جوش و جنون کی حالت میں اٹھ کر غفلت اور جہالت کے اس طویل دور کی تلافی میں اپنی ساری توانائیوں کو کام میں لارہا تھا۔ اس مدت میں اس کے ہاں ہر علم میں بڑے بڑے محقق اور موجد پیدا ہوئے۔ گلیلیو (Galilio) کوپرنیکس (Copernicus) برونو (BRUNOE) کیپلر (KEPLER) اور نیوٹن (NEWTON) وغیرہ وہ محققین تھے جنہوں نے مختلف انکشافات کر کے ہئیات اور طبیعات کا ایک جدید نظام پیدا کر دیا۔ علاوہ ازیں کولمبس (Columbus) میگلن (Maglin) اور واسکوڈی گاما (VASCO de GAMA) جیسے عالمی سیاح اور جہاز ران پیدا کئے جنہوں نے نئی دنیا اور نامعلوم ممالک دریافت کئے۔

اگرچہ یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ صنعت اور مابعد الطبیعات میں یورپ کی یہ ترقی اسپین کے ان مسلمانوں کے ان علوم کی مرہون منت ہے جنہوں نے اسلام کے اس فکری انقلاب کی آبیاری کی جو نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں پیدا کیا تھا۔ یہ عرب تہذیب تیرھویں صدی سے اٹلی کے راستہ یورپ پہنچنی شروع ہوئی اور بالاخر سترھویں اور اٹھارویں صدی کے یورپی انقلاب کا سبب بنی۔

جدید مورخین نے اس بات کو عام طور پر تسلیم کیا ہے کہ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا سبب اول (FIRST COSUSE) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کے وہ کارنامے تھے جو انہوں نے اسپین کی حکومت (711-1492) کے زمانہ میں دکھائے۔ چنانچہ بریفالٹ (BRIFFAULT) نے لکھا ہے کہ

"اگرچہ یورپ کی ترقی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس پر اسلامی تہذیب کے فیصلہ کن اثرات موجود نہ ہوں، لیکن یہ اثر کہیں بھی اتنا واضح اور اہم نہیں جتنا اس طاقت کے ظہور میں ہے جو دنیائے مخصوص اور مستقل قوت اور اس کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب ہے۔ یعنی سائنس اور سائنسی طرز فکر"

اس کے بعد بریفالٹ کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

It is highly probable that but for the Arabs, modern industrial civilization would never have arisen at all.

The Making of Humanity P.202

انتہائی اغلب ہے کہ عربوں کے بغیر جدید صنعتی تہذیب سرے سے وجود ہی میں نہ آتی۔

عباسی خلیفہ المامون کے زمانہ میں ہیئت اور جغرافیہ کے عالموں نے زمین کو گول فرض کرتے ہوئے اس کا محیط معلوم کر لیا۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس آلات حساب کے نام سے صرف زاویہ ناپنے کا (Quadrant) اصطرلاب، دھوپ گھڑی اور معمولی گلوب تھے۔ اس قسم کی چند اشیاء کے ذریعہ زمین کا محیط (Circumfrence) معلوم کرنے کی جدوجہد شروع کر دی چنانچہ اس مقصد کے لئے سنجار (Palmyra) کا وسیع میدان منتخب کیا گیا۔ ایک مقام پر قطب شمالی کی بلندی کے ساتھ زاویہ قائم کر کے شمال کی جانب جریب سے ناپنا شروع کیا۔ $56\frac{2}{3}$ میل شمال کی جانب جانے سے قطب شمالی کی بلندی کے زاویہ میں ایک درجہ کی لمبائی بڑھ گئی۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ جب ایک درجہ کی مسافت سطح زمین پر $56\frac{2}{3}$ میل ہے تو زمین کا کل محیط (Circumfrence) 20 ہزار میل سے زیادہ ہونا چاہیئے کیونکہ ہر نقطہ پر تمام زاویوں کا مجموعہ 360 ہوتا ہے اور 360 کو $56\frac{2}{3}$ میں ضرب دینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے 20401 میل فاصلہ برآمد ہوتا ہے۔ دوبارہ یہی تجربہ دریائے فرات کے شمال میں صحرائے کوفہ میں کیا گیا اور دوبارہ وہی نتیجہ نکلا۔ یہ پیمائش حیرت انگیز طور پر قریب بہ صحت تھی کیونکہ موجودہ زمانہ میں صحیح ترین پیمائش کے مطابق زمین کا محیط (CIRCUMFRENCE) خط استواء پر 25 ہزار میل ہے۔ قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی سائنسی ترقی کی تفصیلات کے لئے پروفیسر ہٹی کی کتاب History of the Arabs میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

بغداد کے بیت الحکمت سے سائنس اور مابعد الطبیعاتی علوم بغداد سے اندلس منتقل ہوئے بنوعباس کے زمانہ میں بغداد علوم وفنون کا مرکز تھا۔ دنیا بھر کے مختلف علوم کے ماہرین یہاں جمع ہوگئے تھے جو مختلف علوم پر ریسرچ کرتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:

"بغداد کی لائبریریوں میں اس قدر کتابیں تھیں کہ جب تاتاریوں نے دریائے دجلہ کو عبور کرنا چاہا تو کتابوں کی ہزارہا گٹھڑیاں پانی میں پھینک دیں۔ بیشتر تو بہہ گئیں، لیکن کچھ بھاری ہو کر تہہ میں بیٹھ گئیں۔ ان پر اور گٹھڑیاں آتی گئیں، یہاں تک کہ دریا میں ایک پشتہ سا بن گیا جس پر تاتاری عساکر پیدل چل کر پار نکل گئے۔"

(تمدن عرب ص ۱۷۵، سید علی بلگرامی)

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علوم کا کتنا بڑا ذخیرہ وحشی تاتاریوں کے ہاتھوں دریا میں بہہ گیا۔

اندلس میں اموی سلطنت کے زمانہ میں سائنس، صنعت اور مابعد الطبیعاتی علوم نے انتہائی ترقی کی۔ اندلس میں مسلمانوں کے علمی مراکز چار تھے۔

۱۔ قرطبہ۔ ۲۔ غرناطہ۔ ۳۔ اشبیلیہ اور ۴۔ طلیطلہ

ہر مرکز میں بڑے بڑے کتب خانے تھے۔ ڈاکٹر ڈریپر (DRAPER) نے معرکہ مذہب وسائنس میں لکھا ہے کہ:

"اندلس کے صرف ایک شہر قرطبہ میں بہتر لائبریریاں تھیں جنہیں مسلمانوں کے زوال کے بعد متعصب عیسائیوں نے جلادیا۔ صرف طلیطلہ میں وہاں کے بشپ زمینز (۸۹۷) (XMINESE) نے اسی ہزار کتابیں نذر آتش کی تھیں۔

(تشکیل انسانیت ص ۲۵۶)

ڈریپر نے ایک اور لائبریری کے بارہ میں لکھا ہے:

"مسلمانوں نے طرابلس میں ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی تھی۔ جس میں کتابوں کی تعداد تیس لاکھ کے قریب تھی۔ ایک مرتبہ صلیبیوں کا ایک لشکر وہاں سے گزرا اور اس نے تمام کتابیں جلادیں۔"

(معرکہ مذہب وسائنس ص ۱۵۰)

جس وقت اندلس میں مسلمان تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کے لحاظ سے بام عروج پر تھے تو اس وقت یورپ جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ انگلستان، فرانس اور جرمنی وغیرہ تہذیب و تمدن کی تمام سہولتوں سے محروم تھے۔ ان میں تہذیب و اخلاق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ چنانچہ ڈریپر ہی نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ:

"اسلامی عروج کا تعلق قرون وسطیٰ (جو پندرھویں صدی میں شروع ہوا) سے ہے یہ وہ زمانہ تھا جب یورپ میں علم، تہذیب اور اخلاق کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ امراء کا کام عیاشی، بردہ فروشی اور مے نوشی تھا۔ بڑے بڑے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہروں مثلاً لندن، پیرس اور برلن کی سڑکوں پر فضلے کے ڈھیر لگے رہتے تھے۔ رات کو روشنی کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جو شخص رات کو گھر سے باہر نکلتا، وہ عموماً کیچڑ میں لت پت ہو جاتا۔ نہانا اتنا بڑا گناہ تھا کہ جب پاپائے روم نے جرمنی کے بادشاہ فریڈرک دوم (۱۲۵۰-۱۲۱۲) پر کفر کا فتویٰ لگایا تو فہرست الزامات میں یہ بھی درج تھا کہ وہ ہر روز مسلمانوں کی طرح غسل کرتا ہے۔"

(معرکۂ مذہب و سائنس ص ۳۶۱)

مشہور یورپی دانشور رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) نے ان حالات کو یوں الفاظ کا جامہ پہنایا ہے کہ:

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گھری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً گھری اور بھیانک ہوتی جا رہی تھی۔ اس دور کی وحشت اور درندگی زمانہ قدیم کی وحشت اور درندگی سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ رہی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس وغیرہ وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"

(The Making of Humanity P.164)

غلاظت پسندی اور غسل سے اجتناب روز اول ہی سے عیسائی راہبوں کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور وہ اس پر فخر کرتے تھے۔ لیکی نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ اخلاق یورپ" میں اس کے کچھ نمونے حوالہ قلم کئے ہیں جن کو پڑھ کر نہایت تعجب ہوتا ہے۔ لکھتا ہے کہ سینٹ میکریس اسکندروی کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا تاکہ اس کے برہنہ جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں۔ نیز یہ کہ وہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتا تھا۔ اس کا مرید سینٹ یوسیبس قریباً دو من لوہے کا وزن لادے رہتا تھا۔ اور تین سال تک ایک خشک کنوئیں کے اندر مقیم رہا۔ ایک مشہور راہب یوحنا کے بارہ میں منقول ہے کہ وہ برابر تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتا رہا۔ اس مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی وہ نہ بیٹھا اور نہ لیٹا۔ جب بہت تھک جاتا تو ایک چٹان پر اپنے جسم کو سہارا دے لیتا۔ بعض زاہد کسی قسم کا لباس استعمال نہیں کرتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے۔ راہبوں کے مسکن علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے بلکہ وحشی درندوں کے غار، خشک کنوئیں یا قبرستان ہوتے تھے۔ اہل زہد کا طائفہ (جانوروں کی طرح) صرف گھاس کھاتا تھا۔ جسم کی طہارت روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی۔

سینٹ اتھینیس نہایت فخر سے کہا کرتا تھا کہ سینٹ انٹونی، اس بڑھاپے کے باوجود تمام عمر اپنے پاؤں دھونے کے گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ سینٹ ابراہام نے پچاس سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرہ یا پاؤں پر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی۔ راہب الیگزنڈر بڑے افسوس اور تحیر سے کہا کرتا تھا کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہمارے اسلاف منہ دھونا حرام اور گناہ جانتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں۔

غلاظت کو عیسائیت میں خاص مذہبی شعار سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ڈریپر نے لکھا ہے۔

"جب اندلس میں اسلامی سلطنت کو زوال آیا تو فلپ دوم (۱۵۹۸۰-۱۵۵۶ء) نے تمام حمام اس لئے بند کر دیئے کہ ان سے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ اسی بادشاہ نے اپنے ایک گورنر کو اس جرم میں معزول کر دیا تھا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمانوں کی طرح روزانہ ہاتھ پاؤں دھوتا تھا۔
جب کنسٹر بری کالاٹ پادری باہر نکلتا تھا تو اس کی قبا پر جوئیں قطار در قطار نظر آتی تھیں۔ فقر و فاقہ کا یہ عالم کہ لوگ درختوں کی چھال اور پتے ابال کر کھاتے تھے۔
۱۰۳۰ء کے قحط میں لندن کے بازاروں میں انسانی گوشت بھی بکتا تھا۔

(معرکہ مذہب و سائینس ص ۳۶۱)

فرانس کے ایک دریا ساؤں کے کنارے انسانی گوشت کی کتنی ہی دکانیں تھیں۔

(تشکیل انسانیت ص ۲۰۹)

جاگیرداروں کے قلعے ڈاکوؤں کے اڈے تھے جو مسافروں کو لوٹتے یا انہیں ذبح کرنے کے لئے پکڑ لاتے تھے۔
یورپ کی یہ حالت مسلسل بارہ تیرہ سو برس رہی۔ گبن نے بالکل درست کہا تھا۔
"بدی کی یہ کثرت اور نیکی کی یہ قلت اتنی طویل مدت تک کہیں اور نظر نہیں آتی۔"

(معرکہ مذہب و سائینس و تاریخ زوال روما)

نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ یورپ کی اس حالت کو بیان کیا گیا ہے جو اس وقت تھی جب مسلمان سلطنتیں خصوصی طور پر اسلامی اندلس علوم و فنون کے بام عروج پر تھیں۔ اور یورپ کے لوگ انہیں حسرت و یاس سے دیکھا کرتے تھے۔ غرناطہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں اسلامی علوم اور مابعد الطبیعاتی علوم کی نشر و اشاعت کر رہی تھیں۔ یورپی دانشوروں نے مسلمانوں کی اس وقت کی حالت کو یوں بیان کیا ہے:
"مسلمانوں نے سسلی میں نہریں کھدوائیں۔ دور دراز علاقوں سے پھلوں کے درخت منگوا کر باغات لگوائے۔ تعمیرات میں سرخ و سفید پتھر استعمال کیا۔ آرائشی طاقچوں، جالیوں اور بیناروں کو مقبول بنایا۔ محلات اور مساجد کو حسین کتبوں سے آراستہ کیا۔ ایک سو تیرہ بندرگاہیں بنائیں اور وہاں کے لوگ ہماری تہذیب سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کا لباس اور تمدن اسلامی ڈھانچے میں ڈھل گیا۔"
"عورتیں بھی عربی لباس فخر سے پہنتی تھیں۔ جو قرطبہ، اشبیلیہ اور سسلی میں تیار ہوتا تھا۔ اشبیلیہ میں 16 ہزار تھے اور کرگھے میں ریشم بافوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار تھی۔ ان کی تیار کردہ عباؤں اور قباؤں پر قرآنی آیات بھی ہوتی تھیں۔ جنہیں عیسائی بادشاہ اور پادری فخر سے پہنتے تھے۔"

(رحلتہ ابن جبیر ص ۳۱۹)

اندلس کے مسلمانوں کی اس تہذیب، تمدن اور علوم و فنون نے وہاں کے مقامی باشندوں جن میں اکثر عیسائی تھے۔ اور باہر کی عیسائی سلطنت کے حکمرانوں اور عوام کو بھی بہت متاثر کیا اور جس طرح آج ہم مغربی لباس اور ان کی تہذیب، ان کے تمدن، ان کی زبان بلکہ ان کی ہر شے یہاں تک کہ ان کی برائیوں کو اپنانے میں ایک فخر محسوس کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ اس زمانہ میں عیسائی رعایا، پادری اور حکمران طبقہ اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی لباس اور اسلامی زبان وغیرہ کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ رابرٹ بریفالٹ نے لکھا ہے:۔
"عربوں کے نفیس سوتی، اونی اور ریشمی لباس بغداد کے حریرو پرنیاں، موصل کی ململ اور طرابلس کی شیفون

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یورپ کی نیم برہنہ آبادی کو عمدہ لباس کا شوقین بنا دیا تھا۔"

(تشکیل انسانیت ص ۲۶۸)

"ایک پادری گرجے میں اتوار کے دن خطبہ دے رہا ہے اور اس کی عبا پر قرآنی آیات کاڑھی ہوئی ہیں۔"

(تشکیل انسانیت ص ۲۶۹)

اندلس کا مشہور جغرافیہ دان ۱۱۸۴ء میں سسلی پہنچا تھا۔ وہاں کے بادشاہ ولیم دوم (۱۱۸۹-۱۱۶۶ء) کے بارہ میں اس نے لکھا ہے کہ:

"ولیم دوم عجیب وغریب آدمی ہے۔ اس کا سرکاری نشان "الحمد للہ حق حمدہ" ہے۔ اور اس کے والد (ولیم اول) کا "الحمد للہ شکراً لانعمہ" تھا۔ اس کے محل کے زرکار (طلائی کام کرنے والے) نے مجھے بتایا کہ جو عیسائی لڑکیاں شاہی محل میں داخل ہوتی ہیں وہ مسلمان کنیزوں کی نیکی، پاکیزگی اور عبادت سے متاثر ہو کر مسلمان ہو جاتی ہیں۔"

(رحلۃ ابن جبیر ص ۳۲۰)

خلاصہ یہ کہ جس وقت یورپ غفلت کی نیند سو رہا تھا۔ اسلامی ممالک جاگ رہے تھے اور علم کی روشنی میں ترقی کی شاہراہ پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے تھے۔ مہذب دنیا انہی کا نام تھا۔ ان کے علاوہ ساری دنیا غیر مہذب اور غیر متمدن تھی۔ چنانچہ ایک مغربی دانشور لکھتا ہے۔

"دسویں صدی عیسوی اور زمانہ مابعد میں ہمارا (یورپ کے لوگوں کا) تعلق مشرق کی فراست سے ہو جاتا ہے۔ ان صدیوں میں جو نسبت آج مشرق اور مغرب کی ہے، ہم اس کے برخلاف پاتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں اکثر مشرقی اقوام مغربی تمدن کی قدروقیمت کا اعتراف کرتی ہیں۔ اور اس کا اظہار تہہ دل سے بہت خوشامدانہ طریقے سے کرتی ہیں۔ مشرق کا باشندہ اس بات کو مانتا ہے کہ سائنس علم، حکومت، تنظیم اور پبلک سپرٹ مغرب میں پائی جاتی ہیں۔ دسویں، گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی کے یورپ میں صورت حالات اس سے بالکل مختلف تھی۔ مغرب کے باشندے کو یہ اچھی طرح سے معلوم تھا کہ اسلام کے پاس معارف اور عہد قدیم کی سائنس ہے۔ اسلام کے اسلحہ اور نظم ونسق کی فضیلت پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے۔"

(HEARN SHAW: MEDIAEVAL CIONTRIBUTION TO MODERN CIVILIZATION, LONDON, 1921,P.118)

سرزمین اندلس میں جب اسلامی علوم کا دریا بہہ رہا تھا تو یورپ کے تشنہ کام لوگ اس چشمہ صافی کے آبِ زلال سے سیراب ہونے کے لئے جوق در جوق اندلس میں وارد ہونے لگے۔ انہوں نے علم وفضل کا بیشتر حصہ یہیں سے سیکھا۔ گیارھویں صدی میں کانسٹنٹائن (Constantine) شمالی افریقہ میں حصول علم میں مصروف تھا۔ وہاں سے اس نے بہت سی کتابیں جمع کیں، علم حاصل کیا اور اٹلی میں آ کر اس کی نشرواشاعت کی۔ ادھر سوریا میں شہر باتھ (Bath) کا رہنے والا ایڈے لارڈ (Adelard) تحصیل علم میں مصروف تھا جو بعد میں جا کر عیسائی دنیا تک پہنچایا۔ اٹلی کے شہر پیزا (Pisa) کا رہنے والا ایک شخص لیونارڈ (Leonard) تھا جس نے یورپ میں موجودہ حساب کی بنیاد رکھی اور ان ہندسوں کو جنہیں یورپ عربی ہندسے کہتا ہے، وہاں پر رواج دیا۔ یعنی ایک سے دس تک ہندسے اور حساب کرنے کا طریقہ جو آج مروج ہے، یہ یورپ نے عربوں سے سیکھا۔ لیونارڈ نے اس طریقے کو شمالی افریقہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عالموں سے اخذ کیا تھا۔
(Sedgwick and Tyler: A Short History of Science, New York, 1918, P.177)

مشرقی رومی سلطنت بیزن ٹائن (Byzantine) اس عہد میں قائم تھی۔ اس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا۔ یونان، بلغاریہ وغیرہ اس کے مقبوضات تھے۔ یہ عیسائی سلطنت چونکہ اسلامی سلطنت کے ساتھ ملتی تھی، لہذا باہمی آمدورفت کے ذریعہ کچھ عربی علوم عیسائی دنیا میں داخل ہو گئے۔

سسلی کا جزیرہ اٹلی کے نیچے اور شمالی افریقہ کے علاقوں الجیریا اور ٹریپولی کے اوپر بحرروم میں واقع ہے۔ یہاں مسلمانوں کی حکومت ۹۰۲ سے ۱۰۹۱ تک رہی۔ بعد میں نارمن لوگوں نے مسلمانوں کے اس جزیرے کو فتح کر لیا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کی کافی تعداد یہاں رہ گئی تھی۔ یہ مسلمان گردو نواح کے علاقوں کے عیسائیوں کے استاد بنے اور ان کے ذریعہ بہت سا علم یورپ میں پہنچا۔
(Hearn Shaw: Mediaeval Contribution to Modern Civilization, London, P.121)

اور ہیسکن (Haskin) کے الفاظ میں

"تاہم وسیع نظر سے دیکھتے ہوئے یہ امر ظاہر ہے کہ ہسپانیہ کے عرب نئے علوم کو مغربی یورپ میں پہنچانے کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔"
(Haskins: Study in the History of Mediaeval Science, Cambridge, 1924, P.5)

ان سب چیزوں کے علاوہ یورپ میں اسلامی علوم و فنون سے آشنائی کا ایک بہت بڑا ذریعہ صلیبی لڑائیاں تھیں۔ ان لڑائیوں کا اثر یورپ کی دماغی ترقی پر بے اندازہ ہوا۔ چنانچہ مشہور مؤرخ سر ولیم میور (S.William Muir) لکھتا ہے!

"یہ صلیبی لڑائیاں ہی تھیں جن کی وجہ سے مغربی دنیا اپنے طویل خوابِ غفلت سے بیدار ہوئی۔ انہی لڑائیوں کی وجہ سے تمام یورپ کے سلاطین ایک نکتہ پر مجتمع ہوئے جس کا مدعا اگرچہ شاندار تھا مگر غلط تھا۔ اس طرح سے ان کے دلوں میں تازہ سیاسی روح پیدا ہو گئی۔"

اس کا باعث براہ راست یا بے واسطہ اسلام اور اندلس ہی تھا۔

"تجارت اور بحری کاروبار میں ان کے سبب سے ترقی ہوئی۔ اس طرح سے ان لڑائیوں نے یورپ کی دولت اور ثروت میں اضافہ کیا۔ فنون لطیفہ میں تازہ روح پھونکنے کا سبب بنیں اور سائنس کے ایسے شعبوں مثلاً ہیئت، ریاضی، طب، عطاری اور تاریخ کی علمی حیثیت کا باعث بنیں۔
(W.Muir: The Mumluke or Slave Dynasty of Egypt, London, Iroduction, P. XXXI)

مشہور یورپی دانشور بیکر (Baker) نے اس بارہ میں لکھا ہے کہ یورپ کے فنون اور ادبیات پر صلیبی لڑائیوں کے سبب اسلامی تمدن کا گہرا اثر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغرب نے اسلامی زبانوں کی تحصیل شروع کر دی اور مسلمانوں کے علوم کو ایک نئے انداز میں دنیا کے سامنے پیش کرنا شروع کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Baker: Under Crusades, The Legacy of Islam, Okford, 1931, P.64)

اسی طرح برڈو (Berdoe) نے بھی لکھا ہے کہ

"بڑی حد تک ان تمدنی سہولتوں کا سبب جو آج میسر ہیں، صلیبی لڑائیاں ہوئیں۔ ان کے سبب سے یورپ میں کئی علوم و فنون اور مختلف سائینسی علوم داخل ہوئے جنہیں ہم (یعنی اہل یورپ) ان کے بغیر کبھی نہ سیکھتے"
(Berdoe: The Healing Art, P. 319)

یہ جو کچھ اوپر کی سطور میں ہم نے ذکر کیا ہے کہ اندلس میں مسلمان علماء اور فضلاء ان علوم پر کام کر رہے تھے اور اس کے بڑے مفید نتائج برآمد ہو رہے تھے۔ نہ صرف مسلم دنیا بلکہ غیر مسلم بھی ان علوم کے ثمرات سے بہر ور ہو رہے تھے۔ علم کے مختلف میدانوں میں یہ ترقیاں جاری و ساری تھیں کہ باہمی اختلافات اور اسلام سے دوری کے سبب اندلس میں مسلم خلافت کا نظام ٹوٹ گیا۔ اور سرزمین اندلس آٹھ سو سال مسلمان حکمرانوں کے زیر اثر رہنے کے بعد عیسائی فرمانرواؤں کی آغوش میں چلی گئی۔ سبز ہلالی پرچم کی جگہ پر وہاں اب صلیب کا پرچم لہرانے لگا۔ غرناطہ، قرطبہ، اشبیلیہ اور طلیلہ کی یونیورسٹیاں جنہوں نے علوم و فنون کی نشرو اشاعت میں کسی بخل سے کام نہیں لیا تھا۔ اور ہر مذہب و ملت کا آدمی علوم کے ان چشموں سے سیراب ہو رہا تھا۔ نظام خلافت ٹوٹنے کے بعد مسلمانوں کے قبضہ اور انتظام سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلی گئیں۔

دوسری جانب عرب خلافت بلکہ اسلامی خلافت کے اس گرتے ہوئے جھنڈے کو اب عثمانی ترکوں نے سنبھالا دیا۔ اس طرح سولھویں صدی عیسوی میں اسلام کی سیاسی نمائندگی کا مرکز اندلس سے ترکی کی طرف منتقل ہو گیا۔ یہاں سے تاریخ اسلام میں بلکہ تاریخ عالم میں ایک نئے انقلاب نے جنم لیا۔

تاریخ کا یہ عجیب المیہ ہے کہ ایک شخص جو کسی لحاظ سے ایک مفید خدمت سرانجام دیتا ہے۔ وہی شخص کسی دوسرے پہلو سے بہت بڑی مصیبت کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال اموی خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی ہے۔ ایک طرف تو اس کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے خلفائے راشدین کی فہرست میں ایک خلیفہ راشد (یعنی عمر بن عبد العزیز) کا اضافہ کیا، لیکن مورخ اس خلیفہ کے نامہ اعمال میں اس ہیبت ناک غلطی کا اندراج بھی کرتا ہے۔ کہ اس نے اپنے زمانہ کے اہم سپہ سالاروں قتیبہ ابن مسلم اور محمد بن قاسم کو قتل کروایا اور موسیٰ بن نصیر کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا کر ذلت اور کسمپرسی کی موت مرنے پر مجبور کیا۔ جس کا نقصان یہ ہوا کہ ایشیا اور افریقہ میں اسلام کی بڑھتی ہوئی پیش قدمی اچانک یک قلم رک گئی۔

قریباً قریباً یہی صورت حال عثمانی ترکوں کے ساتھ پیش آئی۔ ترکوں نے عین اس وقت اسلام کے جھنڈے کو سنبھالا دیا جب کہ اس کے کمزور ہاتھوں میں پہنچ کر گرنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کئی صدیوں تک یورپ کی عیسائی طاقتوں کے مقابلہ میں اسلام کی دیوار بنے رہے انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا جس کو آج تک ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ پھر اسی قسطنطنیہ کو انہوں نے اپنا دار الخلافہ بنایا جس سے بیک وقت وہ ایشیا اور یورپ کی نگرانی کرتے تھے کیونکہ وہ بحر اسود اور بحر ابیض کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے ایشیا اور یورپ کی خشکیوں کا نقطہ اتصال تھا۔ چنانچہ اس شہر کی اس فوجی اہمیت کے پیش نظر ایک موقع پر نپولین نے کہا تھا "اگر کبھی ساری دنیا کی ایک متحدہ حکومت قائم ہوئی تو قسطنطنیہ ہی میں یہ صلاحیت ہے کہ اس کا دار السلطنت بنے۔"

(ملخص التاریخ العثمانی ص ۱۵۶)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس اعتبار سے ان کی یہ خدمات ناقابل فراموش ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ہی ترک ہیں جو اس حادثہ کا باعث بنے کہ مسلم دنیا میں ہونے والی سائنسی تحقیقات اور ریسرچ رک جائیں اور ان کا مرکز یورپ کی طرف چلا جائے۔ یہ غلطی انہوں نے اسلام دشمنی کی وجہ سے نہیں کی تھی۔ بلکہ اپنی نہاد ذہنی کی وجہ سے کی تھی۔ وہ اسلام کے سچے خیر خواہ تھے اور پوری دنیا میں اسلام کی بالادستی کے دل وجان سے خواہاں تھے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ ترک انتہائی بہادر، شجاع اور حوصلہ مند تھے۔ لیکن ان کی کمزوری یہ تھی کہ وہ جاہل تھے۔ علمی تحقیق کے کام کی اہمیت نہ صرف یہ کہ وہ سمجھ نہیں سکتے تھے بلکہ اس کو وہ اپنے لئے ایک سیاسی خطرہ تصور کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ علم کے بڑھنے سے رعایا میں ان کے حق میں وفاداری کم ہو جائے گی۔ جس طرح کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے جاگیرداروں کا اپنے علاقہ کے لوگوں کے بارہ میں خیال ہوتا ہے کہ اگر وہ پڑھ گئے یا علم سے آشنا ہو گئے تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے علاقہ میں کوئی علمی درسگاہ اور کوئی اسکول اور کالج بننے نہیں دیتے۔ اسی طرح ترک بھی یہ سمجھتے تھے کہ رعایا میں علم کی نشرواشاعت سے ان کے لئے اپنی رعایا کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جائے گا۔ اس وجہ سے انہوں نے علمی کام کے ساتھ سخت غیر رواداری کا ثبوت دیا۔ چنانچہ جب مسلم سیاست کا مرکز اسپین اور بغداد سے ترکی دارالخلافت میں تبدیل ہوا تو وہ لوگ بغداد اور اندلس کے مراکز سائنس میں تحقیق و جستجو کا کام کر رہے تھے۔ وہ وہاں سے منتقل ہو کر ترک دارالسلطنت آستانہ میں جمع ہو گئے۔ عباسی اور اندلسی خلفاء ان لوگوں کی بے حد قدردانی کرتے تھے۔ انہوں نے ان کے اوپر درہم و دینار کی بارش کر رکھی تھی تاکہ وہ تمام دنیوی اور مادی علائق سے فارغ ہو کر تحقیق کا کام کر سکیں اور دنیا کی کوئی خواہش اور ضرورت ان کے اس کام میں حارج نہ ہو، لیکن ان کے مقابلہ میں عثمانی ترک ان کو اپنے لئے خطرہ سمجھ کر ان سے نفرت کرنے لگے۔ انہوں نے ان کی اس قدر حوصلہ شکنی کی کہ ترک حکومت میں ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آیا۔ چنانچہ یہ لوگ ترکی کی سرزمین کو خیرباد کہہ کر اٹلی اور فرانس منتقل ہونا شروع ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سائنسی اور علمی تحقیق کا کام مسلم دنیا سے نکل کر مغربی دنیا میں منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ ترکوں نے علم اور اہل علم کی جس طرح حوصلہ شکنی کی اس کی دردناک تفصیل تاریخ الحضارۃ العربیہ مولفہ محمد کرد علی شامی میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مغربی دنیا اور یورپی ممالک پہلے ہی سائنسی علوم کے حصول کی ایک خاص تڑپ اپنے دل میں رکھتے تھے لہذا ان سائنس دانوں کی ان ممالک میں زبردست پذیرائی ہوئی۔ صلیبی جنگوں (۱۰۹۵-۱۲۷۱) میں مسلمانوں کے مقابلہ میں یورپی قوموں کو شکست اس وجہ سے ہوئی تھی کہ مسلمان علم و فن میں ان سے بڑھے ہوئے تھے جب کہ تعداد میں مسلمان یورپی فوجوں سے کم تھے۔ ان جنگوں میں ابتداءً رومی فوجوں نے یونانی آگ (GREEK FIRE) استعمال کی جس سے مسلمان فوجوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ "یونانی آگ" ایک قسم کی پچکاری تھی جس میں آتش گیر کیمیائی مرکب بھر کر دشمن کی جانب پھینکا جاتا تھا اور وہ مرکب جہاں جہاں بھی گرتا آگ لگا دیتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں مسلم سائنس دانوں نے ایک اور چیز ایجاد کی۔ اس میں روغن نفط (معدنی تیل) استعمال ہوتا تھا۔ اس کی مار یونانی آگ کے مقابلہ میں زیادہ دور تک تھی اور اس کا نقصان بھی یونانی آگ سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ اور یہ اس کے مقابلہ میں زیادہ کامیاب رہا۔

یورپ کے عیسائیوں نے جب صلیبی جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں اپنی فوجوں کو پٹتے دیکھا اور انہوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے یہ سمجھا کہ ہماری فوجوں کی کثرت کے باوجود پے در پے شکست علمی پس ماندگی کی وجہ سے ہے تو قدرتی طور پر وہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی علمی پس ماندگی کو دور کرنے کے لئے بے تاب تھے۔ اب جو مسلم دنیا کے سائنس دان اور اہل علم ترکوں سے نالاں اور پریشاں ہو کر ان کے ہاں پہنچے تو انہوں نے ان کے ساتھ زبردست تعاون کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں علمی تحقیق اور ریسرچ کا کام دگنی شدت کے ساتھ ہونے لگا جو اس سے پہلے مسلم دنیا میں ہو رہا تھا کیونکہ یورپی قومیں جلد از جلد اپنی علمی پس ماندگی دور کر کے مسلمانوں سے اپنی صلیبی جنگ کی ذلت آمیز شکست کا بدلہ لینا چاہتی تھیں۔ چنانچہ سولھویں صدی سے لے کر انیسویں صدی تک قریباً تین سو سالہ عمل کے نتیجہ میں یورپ میں وہ انقلاب آیا جس کو سائنسی اور صنعتی انقلاب کہا جاتا ہے۔

مغرب کی سائنسی ترقی میں مسلمانوں کے حصہ کے بارہ میں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رابرٹ بریفالٹ (Robert Briffault) کی کتاب (Making of Humanity)

یورپ میں اب ایک صنعتی انقلاب آیا۔ کس وجہ سے، عربوں کی جہالت کی وجہ سے۔ اور سولھویں صدی تک مسلمان علم کے جس میدان میں استادی کے مقام پر تھے۔ اس کے بعد کی صدیوں میں یورپ نے علمی میدان میں جو ترقیاں کیں اس نے مسلمانوں کو شاگردی کے مقام پر پہنچا دیا۔ اور مسلمان خود اپنی لائی ہوئی انقلابی دنیا میں دوسری قوموں سے بہت پیچھے رہ گئے۔ اس صنعتی انقلاب سے اب انہوں نے مسلمانوں سے ان کی عظمت اور ان کے اقتدار کو چھینا۔ ان کی تہذیب اور ان کے مذہبی شعائر پر حملے کئے اور وہ وہ کمینہ حرکات کیں جن کی قلم کو تاب نگارش نہیں۔

آخر میں ایک سوال کا جواب دینا مناسب سمجھتا ہوں۔ وہ یہ کہ جب تمام سائنسی علوم کا مبداء اسپین تھا۔ وہیں ان علوم کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں تھیں۔ وہیں سے ان علوم کے سوتے پھوٹے جس نے تمام یورپ کو سیراب کیا۔ مارٹن لوتھر نے وہیں سے تعلیم حاصل کر کے پاپائے اعظم کے خلاف بغاوت کی۔ پھر جب اسپین میں مسلم خلافت ختم ہوئی اور وہ تمام علوم جرمنی، انگلستان اور فرانس وغیرہ میں منتقل ہوئے اور ان علوم کی تحصیل کے بعد یہ ممالک ترقی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گئے۔ اسپین ان کے مقابلے میں کیوں پیچھے رہ گیا۔ وہ بھی اب آخر یورپ کا حصہ ہے اور اس پر حکومت کرنے والے بھی یورپین ہیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ جب مغربی لوگوں نے مسلم خلافت کی قبا پارہ پارہ کر کے اسپین پر قبضہ کر لیا تو وہ ان یونیورسٹیوں اور لائبریریوں سے دوسرے ممالک سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ ان ماہرین علم و فن کی خدمات حاصل کر کے ان علوم و فنون کو اور زیادہ ترقی دیتے اور اپنے ملک کی فوقیت کو مغرب کے دوسرے ممالک پر قائم رکھتے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اس کی کئی وجوہات تھیں جن میں دو بڑی وجہیں یہ ہیں۔

۱۔ اسپین کے عیسائی فاتحین نے اسپین پر تسلط جمانے کے بعد قریباً تمام کتب خانے نذر آتش کر دیئے بلکہ ان تمام آثار کو مٹا دیا جن میں اسلامی جھلک نظر آتی تھی۔ یہاں تک کہ یہ حکم دیا گیا کہ تمام مسلمانوں کو جبراً سرزمین اندلس سے نکال دیا جائے۔ اور جو رہنا چاہیں وہ صرف اور صرف عیسائی بن کر رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کا نہایت بے دردی کے ساتھ قتل عام کیا گیا۔ کچھ کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور بے شمار لوگوں کو خود جہازوں میں بٹھا کر ملک بدر کر دیا گیا۔ چنانچہ ۱۸۳۳ء میں آخری مرتبہ کوئی دو لاکھ آدمی اسپین سے خارج کر دیئے گئے۔ اگر چہ اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے پہلے بھی کئی دفعہ ایسا ہی کام ہو چکا تھا۔ ان میں وہ مسلمان بھی تھے جو کسی طرح تبدیل مذہب پر راضی نہ ہوتے تھے۔ کچھ ایسے تھے جنھوں نے مذہب تبدیل کر لیا اور کہا کہ ہم عیسائی ہو گئے ہیں۔ مگر عیسائی حکومت نے ان کے اس دعویٰ کو نہ مانا اور انہیں بھی ملک بدر کر دیا۔

(Campbell: Arabian Medicine, London 1926, Vol.1, Page 198)

اسلام سے ان لوگوں کو نفرت تو پہلے ہی تھی۔ اب اس پر عمل بھی ہونے لگا۔ اکثر کتابوں کا ضیاع صرف اس تعصب کی وجہ سے تھا کہ وہ مسلمان علماء کی کتابیں ہیں، انہیں جلادیا گیا۔ کچھ علمی کتابیں مسلمان علماء اپنے ساتھ دوسرے ملکوں میں لے گئے۔ اور کچھ بچی کھچی کتابیں اندلسی عیسائی حکومت نے خود دوسرے ممالک میں بھیج دیں۔ ان ملکوں نے ان کتابوں سے علمی استفادہ کیا۔ بعد میں اگرچہ طلیطلہ میں ایک دار الترجمہ قائم کیا گیا لیکن اس کے قیام میں اتنی دیر کی گئی کہ دوسری اقوام ترقی کی شاہراہ پر میلوں آگے نکل چکی تھیں۔

۲۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ عیسائیوں کے قبضہ میں آنے کے بعد اسپین میں ایسا دور آیا کہ مذہبی انجمنوں اور سیاسی کشمکشوں کا ہنگامہ پورے ملک میں گرم رہا اور کسی کو فرصت ہی نہ ملی کہ وہ علمی تحقیقات کی طرف توجہ کرتے۔ کیونکہ علمی ترقی کے لئے تسکین قلب، آسائش ذہن اور سیاسی اطمینان کا میسر آنا نہایت ضروری ہے۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سیاسی اطمینان اور ذہنی اور قلبی سکون میسر آنے کے بعد ہی اقوام عالم نے علمی ترقی کی طرف قدم اٹھایا۔ اس کے ساتھ بعض لوگ خوش قسمتی یا اتفاقات زمانہ کو بھی ایک ضروری عنصر خیال کرتے ہیں۔ یہ عنصر بھی اسپین کے حصہ میں نہ آیا۔ ان وجوہات کی بنا پر اسپین ترقی کی اس دوڑ میں یورپ کے دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں بہت پیچھے رہ گیا اور ابھی تک بہت پیچھے ہے۔

یہ تھا وہ نقصان جو عثمانی ترکوں کے ہاتھوں عالم اسلام کو پہنچا۔ اگرچہ یہ بدنیتی سے نہ تھا لیکن نقصان آخر نقصان ہوتا ہے۔ اور مسلمان آج تک اس نقصان کی تلافی نہیں کر سکا۔ اسی وجہ سے مسلمان ملت آج تک سائنسی علوم میں تنزل و انحطاط سے دوچار ہے۔

بقیہ از ص ۲۶

اور پھر ان کے جواب میں ناصبیوں و خارجیوں نے میٹھے اور کڑوے انداز میں حضرت حسینؓ کی کردار کشی کر کے نہ جانے کتنی کربلاؤں سے ان کو گذار دیا بس یہی ہے حضرت حسینؓ کی اصل مظلومیت۔

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ابو مخنف کی دروغ گوئیوں پر یقین نہ کر کے اسے رد کرنے اور حضرت حسینؓ کی مظلومانہ شہادت کے حقیقی پس منظر اور پاک مقصد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

© rasailojaraid.com